پیر حسام الدین راشدی اور بابائے اردو مولوی عبدالحق

محمد علی لغاری*

نصراللہ قابورو**

Abstract

Pir Hassam-uddin Shah Rashdi was authority on Sindhi journalism as well as Sindhi language and literature whereas Baba-i-Urdu Molvi Abdul Haq was authority on Urdu language and literature...... Pir Hussam-u-din Shah Rashdi and Baba-i-Urdu Molvi Abdul Haq introduced with each other during the year 1938 when Pir sahib started travelling various cities of India in connection with Pakistan Movement...... After the establishment of Pakistan Pir Sahib and Baba-i-Urdu Molvi Abdul Haq remained associated with each other in connection with the development of Urdu till the establishment of Anjuman Tarraqi Urdu and other related matters continued till the death of Molvi Abdul Haq, Baba-i-Urdu during the year 1961...... The relationship of Pir...... Sahib remained associated with Anjuman Taraqi Urdu till his death in 1982...... In this article the relations between the two renowned scholars are discussed including their research works and biographies......

خلاصہ

پیر حسام الدین راشدی سندھی صحافت اور علم و ادب کے روشن مینار تھے، تو بابائے اردو مولوی عبدالحق اردو علم و ادب کے روشن ستارے تھے۔ پیر حسام الدین راشدی اور بابائے اردو مولوی عبدالحق کی آپس میں شناسائی ۱۹۳۸ء سے شروع ہوئی، جب پیر صاحب

* محمد علی لغاری، اسسٹنٹ پروفیسر شعبہ مسلم ہسٹری جامعہ سندھ، جامشورو

** نصراللہ قابورو ، اسسٹنٹ پروفیسر، شعبہ مسلم ہسٹری جامعہ سندھ، جامشورو

نے تحریک پاکستان کے سلسلے میں ہندستان کے مختلف شہروں کا سفر کیا تھا اور پھر ان کے تعلقات روز افروز رہے، پاکستان بننے کے بعد اردو کی ترقی کے سلسلے کی ہر کوشش میں پیر صاحب اور بابائے اردو ہم رکاب رہے۔ انجمن ترقی اردو کے قیام، دفتر کے لئے عمارت کے حصول سے لے کر انتظامی تنظیم بنانے اور دیگر سرگرمیوں میں ان کا آپس میں ہمیشہ ساتھ رہا۔ ان دونوں کے تعلقات بابائے اردو کی وفات ۱۹۶۱ء تک قائم رہے اور ان کے یادگار انجمن ترقی اردو کے ساتھ پیر صاحب کے تعلقات ان کی وفات ۱۹۸۲ء تک قائم رہے۔

اس آرٹیکل میں ان کے آپس کے تعلقات کا تفصیل کے ساتھ علمی و تحقیقی جائزہ لیا گیا ہے اور ساتھ ساتھ دونوں کی سوانح حیات بھی پیش کی گئی ہے۔

اہم الفاظ: حسام الدین راشدی، بابائے اردو،تعلقات،ترقی اردو

پیر حسام الدین راشدی(پیدائش۱۹۱۱ء – وفات۱۹۸۲ء)سندھ کے وہ نامور مؤرخ، محقق، صحافی، عالم اور ادیب تھے جنہوں نے بیک وقت سندھی، اردو اور فارسی میں اپنی گرانقدر علمی خدمات پیش کیں۔ انہوں نے اپنی علمی زندگی کی ابتداء صحافت سے کی۔ جب ۱۹۲۴ء میں ان کے بڑے بھائی پیر علی محمد راشدی اپنے آبائی گاؤں بہمن ضلع لاڑکانہ سے ایک سندھی ماہنامہ رسالہ ''الراشد'' نکالتے تھے۔ چنانچہ پیر حسام الدین راشدی مذکورہ رسالے میں ان کا ہاتھ بٹاتے تھے۔ اس کے بعد ۱۹۲۶ء میں وہ *جاگن* اخبار میں بطور نامہ نگار کام کرتے رہے۔ بعد میں ہفت روزہ *المنار* سکھر سے وابستہ ہوئے، ہفت روزہ *پیغام* شکارپور کے لیئے بھی کچھ وقت کام کیا۔ ۱۹۳۰ء میں وہ مشہور زمانہ اخبار *سندھ زمیندار* سکھر کے مدیر مقرر ہوئے۔ 1934ء میں سکھر سے اپنے اخبارہفت روزہ *ستارہ سندھ* کا آغاز کیا۔ ستارہ سندھ میں ان کے اہم علمی و ادبی مضامین شائع ہوتے تھے ۔قبل ازیں *المنار* میں ان کے افسانے بھی شائع ہوئے۔ اسی اثناء میں ان کی بابائے اردو مولوی عبدالحق(پیدائش: 1870ء وفات 1961ء)سے شناسائی ہوچکی تھی۔ یہ 1938ء کی بات ہے جب پیر علی محمد راشدی نے تحریک پاکستان کے سلسلے میں ہندوستان کے مختلف شہروں کا سفر کیا اور پیر حسام الدین راشدی بھی ان کے ساتھ وہاں گئے۔ پیر علی محمد راشدی لکھتے ہیں : '' اس کے بعد تحریک پاکستان کے سلسلے میں تمام ہندوستان کا گشت کیا گیا تو میں اپنے ساتھ حسام الدین(راشدی) کو بھی لے گیا۔ چنانچہ انہیں اس دوَر کے چند علمی شخصیات سے ملاقاتوں کا

موقع ملا۔ مثال کے طور پر بابائے اردو مولوی عبدالحق مرحوم، مولانا غلام رسول مہر مرحوم، مولانا سید سلیمان ندوی مرحوم، علامہ محمود شیرانی مرحوم، پنڈت دتا تریہ کیفی، سید ہاشمی فریدآبادی مرحوم اور کئی ایک علماء اور اصحاب قلم۔ اور جہاں بھی گئے، میں تو سیاسی شخصیات سے محو گفتگو رہا، جب کہ حسام الدین علمی ذوق کے حامل بزرگوں سے ملاقاتیں کرتے رہے۔ ان کی تحریر خواہ تحقیق کے طریقوں پر ان شخصیات کا بہت اثر تھا۔۱ اس کے بعد ۱۹۴۲ء میں الہ آباد میں آل انڈیا مسلم لیگ کا سالانہ اجلاس منعقد ہوا تو پیر علی محمد اور پیر حسام الدین راشدی نے الہ آباد اور دہلی کا سفر کیا اور وہ دہلی میں انجمن ترقی اردو ہند کے دفتر یعنی مولوی عبدالحق کے مکان میں رہائش پذیر ہوئے۔۲

ان ملاقاتوں میں ہی ان کے تعلقات میں باہمی ہم خیالی اور بے تکلفی پیدا ہو گئی۔ مولوی عبدالحق ۲۹اپریل ۱۹۴۲ء کو سر عبداللہ ہارون کی وفات پر تعزیت کر تے ہوئے لکھتے ہیں۔ ''راشدی صاحب کیا غضب ہوگیا۔ سر عبداللہ ہارون چل بسے۔ ان کی موت قومی نقصان ہے۔ ان کا دم بہت غنیمت تھا۔ ہماری قوم میں ایسے ہمدرد اور مخلص لوگ بہت کم ہیں۔ میرا خط پہنچ گیا ہوگا۔ میں نے پنڈت دیناناتھ مست کو لکھ دیا ہے کہ جس وقت راشدی صاحب کا تار آئے تو فوراً ان کو لے کرکی ہوٹل میں ٹھہرادیں۔ اور پھر ان کو ساتھ لیکر مکانات دکھا دیں اور جو مکان پسند آئے اس کا کرایہ طئے کر کے اس میں قیام کا انتظام کردیں اور ہر قسم کی مدد دیں۔ اب آپ ان سے خط و کتابت کر کے فیصلہ کرلیجئے۔ نیاز مند عبدالحق''۔۳

۱۹۴۲ء سے ۱۹۴۷ء کے درمیان بھی پیر صاحب اور مولوی صاحب کی آپس میں خط و کتابت جاری رہی۔ ۱۹۴۷ء میں جب ہندوستان میں فسادات بپا ہوئے تو بابائے اردو مولوی عبدالحق کا وہاں ٹھہرنا ممکن نہ رہا۔ پیر صاحب لکھتے ہیں: ''جب دلی لٹنے لگی اوروہاں کشت و خون کا بازار گرم ہوا، اس وقت مولانا حیدرآباد میں تھے اور جب وہاں سے واپس دلی آنے لگے تو بھوپال اسٹیشن پر مرحوم شعیب قریشی نے ان کو زبردستی اتار لیا۔ چند دن ٹھہرے لیکن اب کے جی نہ لگا اور سیدھے کراچی آئے، آئے کیا بالکل نڈھال اور سخت فکر مند۔۴

اسی اثناء میں مولوی عبدالحق صاحب پاکستان میں منعقدہ پاکستان ایجوکیشنل کانفرنس میں شرکت کے لیئے ۲۲ نومبر کو کراچی پہنچے اور کانفرنس کے جلسوں میں شرکت کی۔۱۵نجمن

ترقی اردو کے قیام کے سلسلے میں صوبائی و مرکزی وزراء سے ملاقاتیں کی، لیکن کوئی پیش رفت نہ ہوسکی لہٰذا ۱۲ جنوری ۱۹۴۸ء کو دلی واپس چلے گئے اور۱۰ مارچ۱۹۴۸ کو کراچی آگئے۔ ۲۶ مارچ کو پنجاب یونیورسٹی لاہور میں اردو کانفرنس کی صدارت کی۔

یہ وہ دوَر تھا جب ہندوستان میں فسادات عروج پر تھے۔ کراچی میں مولوی صاحب کا قیام پیر الاہی بخش کے گھر تھا۔ چنانچہ مولوی صاحب کی کیفیت بیان کرتے ہوئے پیر صاحب لکھتے ہیں: ''مولانا کا قیام ان دنوں پیر الاہی بخش وزیرتعلیم سندھ کے ہاں گاندھی گارڈن کے پیچھے ہرے رنگ والی کوٹھی میں تھا۔ جسمانی طور پر تو وہ یہاں یقیناً مقیم تھے لیکن ان کی روح دریا گنج نمبر ایک کے آس پاس پھر رہی تھی، کبھی فریدآباد بھٹکنے لگتی کبھی رام پور، کبھی حیدرآباد اور کبھی کیفی صاحب کا کھوج لگانے دلی کے کوچوں میں منڈلاتی پھرتی۔ میں اپنے طور پر ان کو بہلانے کی ہزار کوششیں کرتا رہتا تھا۔ ملیر، لانڈھی، منگھو پیر، جھونا مارکیٹ، کیماڑی، صدر یہ سب اس زمانے میں ہمارے پاؤں تلے تھے۔ ہوا بندر تو تقریباً ہر شام ایک پھیرا ضرور ہی ہوتا۔ لیکن باوجود ان تمام ترکیبوں کے، دھیان ہر وقت وہیں لگا رہتا۔ جب بات کرتے تو وہیں کی کرتے۔ ہندوستانی احباب، انجمن اور اس کا مستقبل، ہاشمی، کیفی، صلاح الدین، بدر عالم، بشیر باورچی، کتب خانہ، نادر اور نایاب مخطوطے، مطبوعات کی ہزاروں جلدیں، انجمن کی عمارت کا پلاٹ، بینک میں پڑے ہوئے روپے، غرض کہ ایک سر اور ہزار سودا۔ وقت اسی طرح گزرتا تو چلا گیا لیکن بہت ہی تلخ۔[۶]

چنانچہ ۲ اکتوبر۱۹۴۸ء کو دلی روانہ ہوئے۔ وہاں کچھ عرصہ دہلی، بھوپال اور بمبئی میں قیام کے بعد ۲۸ جنوری ۱۹۴۹ء کومستقل طور پر پاکستان آگئے۔ مولوی صاحب خود لکھتے ہیں: ''جہاز ساڑھے بارہ بجے کراچی پہنچا۔ ہوا خانہ پر شعیب قریشی، خان عبداللطیف خان اور پیر حسام الدین صاحب تھے۔ خدا کا لاکھ لاکھ شکر کہ عافیت سے کراچی پہنچ گیا۔[۷]

مولوی صاحب جنہیں اردو زبان سے بے انتہا محبت تھی، اور اردو کی ترقی ہی جن کا سب سے بڑا مشن تھا، چنانچہ آتے ہی کل پاکستان انجمن ترقی اردو کے مرکزی دفتر کے لیئے عمارت کے حصول کی کوششوں میں لگ گئے۔ خوش قسمتی سے انہیں شاردھا مندر کی شاندار عمارت الاٹ کی گئی۔ پیر صاحب لکھتے ہیں: ''میں نے اس کے قریب ایک اور بڑا سا

گجراتی اسکول انجمن کے لیئے ذہن میں رکھا تھا لیکن جب حکیم محمد احسن سے، جو اس وقت کراچی کارپوریشن کے میئر تھے، بات ہوئی تو وہ مولوی صاحب کو اور مجھے اپنے مطب سے سیدھے شاردھا مندر لے آئے۔ عمارت اور اس کی شان دیکھ کر مولانا ہکے بکے رہ گئے۔ ہر اچھی چیز کو وہ پسند کرتے تھے تو دیکھ کر بہت خوش ہوتے تھے۔۸ ''۔۔۔ ''آخر ایک دن جب حکیم صاحب الاٹ منٹ ہاتھ میں لیئے ہوئے پہنچے تو مولوی صاحب نے فقط اتنا کہا کہ ''بھئی واہ ! واہ!!حکیم صاحب یہ آپ ہی کا کام تھا ! بھئی ہم تو کہتے تھے کہ ان کے بغیر یہ کام ہونے کا نہیں! کچھ بھی ہو ہاشم رضا بھی کیا کر سکتے تھے ؟ واہ واہ بھئی واہ واہ!یہ آپ ہی کی کارستانی ہے ! واہ واہ بھئی واہ واہ! '' او رآخر میں فرما دیتے تھے کہ ''بھئی خدا آپ کو خوش رکھے۔۹

بابائے اردو مولوی عبدالحق نے کل پاکستان انجمن ترقی اردو کے مرکزی دفتر شاردھا مندر میں قیام کے فوراً بعد ۱۶مئی۱۹۴۹ء کو ایک مشاورتی جلسہ منعقد کیا۔ اور پیر صاحب کو بذریعہ خط اطلاع دیتے ہوئے لکھا کہ:''اور یہ طئے پایہ کہ ماہ اکتوبر میں ایک اردو کانفرنس کراچی میں منعقد کی جائے اور مختلف شعبہ داری مجالس قائم کی جائے۔ کانفرنس کے لیئے ایک مجلس انتظامی تشکیل دی گئی ہے۔ جس کی رکنیت کے لیئے آپ کا انتخاب ہوا ہے۔ آپ کو اردو کی ترقی و اشاعت سے گہری دلچسپی ہے۔ اس کے پیش نظر قوی امید ہے کہ آپ اس کو قبول فرمائینگے اور تمام کارروائیوں میں پورا حصہ لے کر کانفرنس کے مقاصد کی تکمیل میں مدد دینگے۔۱۰

انجمن ترقی اردو کی جانب سے اسی سال کالج کا قیام بھی عمل میں لایا گیا۔ چنانچہ پیر صاحب کی انجمن ترقی اردو کی سرگرمیوں میں دلچسپی کو مدِ نظر رکھتے ہوئے مولوی صاحب نے انہیں ۲۰ جون ۱۹۴۹ء کو ایک خط میں لکھا کہ:''آپ کو علم ہوگا کہ کل پاکستان انجمن ترقی اردو نے ایک ڈگری کالج قائم کیا ہے۔ جس کی خصوصیت یہ ہے کہ تمام مضامین کی تعلیم اردو کے ذریعہ دی جاتی ہے۔ اس کالج کا قیام ایک اہم تعمیری خدمت ہے۔ جسے پروان چڑھانے کے لیئے آپ جیسے مخلص ۔متدین اور خاموش تعمیری کام کرنے والوں کی امداد کی ضرورت ہے ۔اس کالج کے چلانے کے لئے ایک مجلس انتظامیہ تشکیل دی گئی ہے۔ اور اس کی رکنیت کے لئے آپ کا نام تجویز کیا گیا ہے۔ امید ہے کہ آپ رکنیت قبول فرما

کر مجھے شکریہ کا موقع دیں گے۔**۱۱**

انجمن ترقی اردو کے انتظامی امور میں آگے چل کر جب کچھ بے ضابطہ صورتحال کا انکشاف ہوا توبابائے اردو مولوی عبدالحق نے اس سلسلے میں تفتیش کی۔ جیسا کہ وہ لکھتے ہیں: ۱۹۵۵ء میں جو اطلاعات مجھے ملیں اور ان کے متعلق میں نے اپنے طور پرتحقیق کی تو معلوم ہوا کہ حسابات کی حالت ابتر ہے اور بہت سی رقم کا بیجا صرف کیا گیا ہے اور جن کے ہاتھ میں رقوم کالین دین ہے ان کی دیانت بہت مشتبہ ہے۔ اس بنا پر میں نے کالج کے حالات و حسابات کی تنقیح کے لئے ایک تحقیقاتی کمیٹی کی تجویز کی اور اس مضمون کی قرار داد مجلس نظماء میں ۴ نومبر ۱۹۵۵ء کو عبدالخالق صاحب نے پیش کی اور بالاتفاق منظور ہوئی۔ اس کمیٹی کے تین ارکان تجویز کئے گئے۔ حاتم علوی صاحب داعی(کنویز(، عبدالخالق عبدالرزاق صاحب، پیر سید حسام الدین راشدی۔ اس کے بعد اسی روزبجنسہ یہی قرار داد انجمن ترقی اردو کالج کی انتظامی تنظیم نے بھی منظور کی۔**۱۲**

مولوی صاحب کے پیر صاحب کی جانب لکھے گئے ۱۲۶ خطوط کا ذخیرہ جومشفق خواجہ نے مرتب کر کے ماہنامہ قومی زبان کے اگست ۱۹۶۴ء کے شمارے میں شائع کیا تھا۔ اپنے اندر ایک علمی، تاریخی اور تہذیبی دنیا سمیٹے ہوئے ہے۔ خطوط کے مطالعہ سے پتہ چلتا ہے کہ برصغیر کے ان معروف علماء و ادباء کے درمیان تعلق صرف علم و ادب اور اردو زبان کی ترقی و ترویج و اشاعت تک ہی محدود نہ تھا بلکہ یہ تعلق وقت کے ساتھ ساتھ باہمی محبت اور پرخلوص دوستی کے ایک خوش گوار احساس میں تبدیل ہوگیا تھا، جیسا کہ ۲۲ نومبر ۱۹۴۹ء کو وہ پیر صاحب کو لکھتے ہیں :''آپ نے کہلا بھیجا تھا کہ کھانا میرے ساتھ کھائیں گے۔ دیر تک انتظار کیا۔ آپ حسب معمول نہ آئے۔ آپ نے جوتیتر بھیجے تھے۔ ان میں سے ایک میں نے کھایا۔ اس کی خستگی اور لذت کی تعریف نہیں ہوسکتی۔ دہلی کے ہولناک فسادات اور کراچی آنے کے بعد خوش ذائقہ اور لذیذ کھانوں سے دل بھر گیا تھا۔لیکن اس تیتر کے بعد پرانا شوق پھر عود کر آیا۔ اس کا گناہ آپ کے نامۂ اعمال میں لکھا جائے گا۔ تیتر کیا تھا۔ جنت کا میوہ تھا یا سلویٰ جو آسمان سے اترا تھا۔ رات بھر کانوں میں یہ آواز آتی رہی کہ کراچی پر لعنت بھیج انجمن کو چھوڑ اور پیر کے زیر سایہ نو ڈیرو میں جا پڑ۔ تیتر، خالص دودھ اور شہد کا

لطف اٹھا۔ تیرے لئے یہی خرابہ جنت بن جائے گا۔ ہاتف غیب کی یہ آواز میرے دل میں اتر گئی۔ اللہ تعالیٰ آپ کو صحت و عافیت کے ساتھ خوش رکھے اور دلی مقاصد بر لائے۔[۱۳]

ان کے پرخلوص اور قریبی دیرینہ تعلقات کا اندازہ ۲۹ اگست ۱۹۵۰ء کو مولوی صاحب کے پیر صاحب کی جانب لکھے گئے خط کے مندرجہ ذیل اقتباس سے بھی لگایا جا سکتا ہے: ''جس طرح بعض واقعات سے خدا کی خدائی کا قائل ہونا پڑتا ہے۔ اسی طرح آپ کی وضعداری کا بھی قائل ہونا پڑا۔ اور اس وضعداری کے نبھانے میں قدرت بھی آپ کا ساتھ دیتی ہے۔ پہلے دریائے سندھ کی طغیانی نے اس خدمت کو انجام دینا چاہا مگر وہ ناکام رہا۔ دوسرے گھر سے بیماری کی خبر پہنچی۔ وہ بھی خدا کے فضل سے رفع ہوگئی، اب تیسرا سانحہ الیکشن کا آیا، جو ایک عذاب عظیم ہے، تمام بداخلاقی کی جڑ ہے۔ اس نے آپ کی وضعداری کو بچا لیا۔ میں نے آپ کی پیشوائی کے لئے چیف فارسٹ افسر اور ایک اور صاحب کو کوئٹہ بھیج دیا۔ اور انہوں نے آپ کی مہمانداری کا خاص اہتمام کیا۔ آپ نہ آئے مجھے بڑی ندامت اور ان کو بہت افسوس ہوا۔ اگرچہ میں آپ کی عادت حسنہ سے بخوبی واقف تھا۔ لیکن میری سادہ لوحی دیکھئے کہ باوجود اس کے کہ آپ کے آنے کی خوشی میں مطلق بھول گیا۔ اب آپ نے کوئٹہ آنے کے لئے لکھا ہے ۔کیسے یقین کروں۔ یہ مہینہ کوئٹہ میں بڑی بہار کا ہوتا ہے۔ اس موقع کو ہاتھ سے نہ جانے دیجئے۔ میں پرسوں یعنی یکم ستمبر کو کوئٹہ چلا جاؤں گا۔ اور میرا قیام ایوان قلات میں ہوگا۔[۱۴]

پیر صاحب اور بابائے اردو کے درمیان یہ پر خلوص تعلقات تو بابائے اردو مولوی عبدالحق کی ۱۹۶۱ء میں وفات تک قائم رہے۔لیکن اس کے بعد یہ تعلق پیر صاحب کے انجمن ترقی اردو کے اغراض و مقاصد اور علمی و عملی سرگرمیوں میں شرکت و معاونت کی صورت میں پیر صاحب کی ۱۹۸۲ء میں وفات تک قائم رہا۔ دسمبر ۱۹۸۲ء میں انجمن ترقی اردو کی جانب سے پیر حسام الدین راشدی کو خراج تحسین پیش کرنے کے لیئے جریدہ ماہنامہ قومی زبان کا پیر حسام الدین راشدی نمبر شائع کیا گیا، جس کے اداریہ میں ان کی شخصیت، سیرت اور علمی وعملی خدمات کو نہایت اچھے الفاظ میں سراہا گیا ہے، ان کے الفاظ ہیں :''پیر حسام الدین راشدی مرحوم کا انجمن ترقی اردو اور بابائے اردو مولوی عبدالحق سے قدیم اور نہایت مخلصانہ

واسطہ تھا۔ کراچی میں انجمن ترقی اردو کے قیام اور استحکام میں پیر صاحب مرحوم کا موثر اور موقر حصہ رہا۔ وہ انجمن کی مجلس نظماء کے رکن رکین تھے۔ انجمن کے اجلاسوں میں باقاعدگی سے شریک ہوتے تھے اور زیر بحث معاملات میں قیمتی مشوروں سے نوازتے تھے۔ انجمن کے مطبوعاتی پروگرام سے انہیں خصوصی دلچسپی تھی۔ وہ چاہتے تھے کہ انجمن کے تمام مخطوطات طبع ہو کر اردو ادب کے تمول کا ذریعہ اظہار بنیں۔ وہ قدیم و جدید ادب کے پارکھ تھے۔ ان کی اس پرکھ میں کسی زبان کی تخصیص نہ تھی۔ کتابوں کی طباعت اور اشاعت میں ان کے مشورے گراں قدر ہوتے تھے۔ وہ انجمن کے رسائل کے لیئے معیاری مضامین بھی فراہم کرتے اور معیار کو برقرار رکھنے کی ہدایت فرماتے۔ وہ خود بھی سہ ماہی اردو کی مجلس ادارت کے رکن تھے۔[۱۵]

حوالہ جات

۱۔ سہ ماہی *مہران*، راشدی نمبر 1983/1ء، ص-18۔

۲۔ *ماہنامہ توحید کراچی* اپریل 1942ء، ص-2

۳۔ خواجہ مشفق: ''*مکتوبات بابائے اردو بنام پیر سید حسام الدین راشدی*''، ماہنامہ قومی زبان، کراچی-اگست 1964ء، ص 220۔

۴۔ لاکھو، غلام محمد (مرتب'' (*مقالات راشدی*،'' انسٹی ٹیوٹ آ ف سینٹرل اینڈ ویسٹ ایشین اسٹڈیز جامع کراچی، 2002ء، ص-271۔

۵۔ عبدالحق: ''*کل پاکستان انجمن ترقی اردو کا المیہ*'' انجمن ترقی اردو، کراچی 1958ء، ص-3۔

۶۔ لاکھو غلام محمد: ایضاً، ص-272۔

۷۔ قادری، ڈاکٹر محمد ایوب ''*اردو کے پیر*''، ماہنامہ قومی زبان، کراچی دسمبر1982ء، ص-82۔

۸۔ لاکھو، غلام محمد، ایضاً، ص-277۔

۹۔ ایضاًص-278

۱۰۔ خواجہ، مشفق: ایضاً، ص-248۔

۱۱۔ ایضاًص-255۔

۱۲۔ عبدالحق: ''*کل پاکستان انجمن ترقی اردو کا المیہ*، ص-16۔

۱۳۔ ایضاً، ص-255۔

۱۴۔ خواجہ مشفق : ایضاً، ص-274-275۔

۱۵۔ *ماہنامہ قومی زبان*، دسمبر 1982ء، ص-3